not

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر حمید اللہؒ کی سیرت نگاری

چند پهلو

ڈاکٹر محمود احمد غازی☆

زیر نظر مضمون ایک تقریر پر مشتمل ہے جو فاران کلب انٹرنیشنل کراچی کے زیر اہتمام ڈاکٹر حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں منعقدہ ایک تقریب میں کی گئی تھی، اسے کیسٹ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر کے فاضل مقرر کی نظر ثانی کے بعد قارئین السیرہ کی خدمات میں پیش کیا جارہا ہے

ادارہ

ڈاکٹر حمید اللہ کی شخصیت اتنی وقیع اور متنوع اور ان کا علمی کام اتنا بھرپور اور غیر معمولی ہے کہ کسی بھی فرد کے لئے ایک مختصر محفل اور ایک مختصر وقت میں ان کی شخصیت اور ان کے علمی کارناموں کا احاطہ کرنا دشوار ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جو غیر معمولی علمی اور تحقیقی ذخیرہ چھوڑا ہے، وہ اسلامیات اور اسلامی علوم کے تقریباً تمام ہی پہلوؤں پر محیط ہے، اسلامی تاریخ، قرآن مجید، قرآن مجید کی تفسیر، حدیث، سیرت، فقہ، اصول فقہ، صدر اسلام کی تاریخ، مسلمانوں کا علم نباتات، مسلمانوں کا قانون، دستور، بین الاقوامی قانون، بین الاقوامی تعلقات، حتیٰ کہ علم طب، جغرافیہ، بحریات اور اس طرح کے بہت سے موضوعات ہیں جن پر ڈاکٹر حمید اللہ نے انتہائی فاضلانہ تصانیف اپنے قارئین اور اسلامی علوم کے طلبہ کے لئے چھوڑی ہیں۔ اس لئے پورے علمی ذخیرے کا جائزہ لینا اور اس وسیع سلسلۂ تصانیف و مقالات کو کھنگال کر ان کے اصل کارناموں کی نشاندہی کرنا تو طویل فرصت کا متقاضی اور بڑا دشوار کام ہے۔ البتہ ان کے تحقیقی کارناموں میں تین میدان ایسے ہیں جو ان کی پوری علمی زندگی میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ان تینوں

☆نائب صدر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

میدانوں میں ان کا کام اور کارنامہ نہ صرف تاریخ ساز ہے بلکہ خود ان علوم وفنون کی تاریخ میں ایک نہایت نمایاں باب اور نمایاں مقام کا حامل ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے یہ تین بنیادی کام یہ ہیں:

۱۔ اسلام کے قانون بین الاقوام کی تدوین نو

۲۔ تاریخ علم حدیث میں نئی جہتوں کی دریافت

۳۔ اور سیرت رسول ﷺ کی تدوین نو

یہ تینوں میدان ایسے ہیں جن میں ان کو نہ صرف امامت کا درجہ حاصل ہے بلکہ ایک اعتبار سے وہ ان علوم وفنون میں مجددانہ شان کے حامل معلوم ہوتے ہیں۔

سیرت رسول ﷺ کی تدوین نو:

علم سیرت کو انہوں نے نئی جہت سے متعارف کروایا، علم سیرت کے انہوں نے ایسے ایسے گوشے محققین کے سامنے رکھے ہیں جن پر متقدمین نے کلام نہیں کیا تھا۔ متقدمین کے یہاں سیرت پر کام کا عام انداز یہ تھا کہ سیرت کے بارے میں جو معلومات حدیث، تاریخ، سیرت اور مغازی کی کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں ان کو ایک ترتیب سے جمع کر دیا جائے۔ اس ترتیب سے جمع کرنے کے بعد پھر ان میں موضوعاتی تقسیم کردی جائے۔ متقدمین کا ابتدائی دو، تین صدیوں میں سیرت پر جو کام تھا وہ اکثر وبیشتر جمع و تدوین کا تھا۔ اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ سیرت سے متعلق ساری معلومات یکجا جمع ہو جائیں۔ چنانچہ جتنی کتابیں تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل تک لکھی گئیں وہ سب کی سب سیرت کے مواد کے بجا آوری اور ان کی تدوین سے عبارت ہیں۔ ابن ہشام کی سیرت ہو۔ اس کی شرح الروض الانف ہو یا الروض الانف کی اور شرحیں ہوں ان سب میں کوشش یہی کی گئی کہ سیرت سے متعلق ساری روایات کو یکجا کر دیا جائے۔

اس کے بعد ایک زمانہ آیا کہ محققین سیرت نے سیرت کے مختلف پہلوؤں پر الگ الگ کتابیں لکھنا شروع کیں۔ مغازی کے مصنفین نے مغازی پر، سیرت کی فقہیات پر لکھنے والوں نے فقہیات پر، سیرت کے جغرافیے پر لکھنے والوں نے جغرافیے پر اور اس طرح سے سیرت کے مختلف پہلوؤں پر الگ الگ کتابیں کئی سو سال تک لکھی جاتی رہیں۔

ساتویں آٹھویں ہجری صدی آتے آتے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شاید سیرت پر کام تکمیلی درجے

تک پہنچ چکا ہے، اور اس میں اتنی پختگی اور وسعت آ چکی ہے کہ اب اس میں مزید کسی اضافے کی گنجائش نہیں رہی۔

بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں برصغیر میں سیرت پر تین بڑی کتابیں لکھی گئیں۔ یہ تینوں کتابیں جب لکھی جا رہی تھیں تو عام طور پر یہ سوال اٹھایا جاتا تھا کہ ان تینوں کتابوں میں نئی بات کیا ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے کی سب سے پہلی کتاب سر سید احمد خان کی خطبات احمدیہ تھی، جو انیسویں صدی کے اواخر میں لکھی گئی۔ اس کے بعد علامہ شبلی نعمانی کی سیرت النبی ﷺ سامنے آئی جس کو علامہ سید سلیمان ندوی نے مکمل کیا۔ تیسری اہم کتاب قاضی سلیمان منصور پوری کی رحمۃ للعالمین تھی۔ ان تین کتابوں نے سیرت نگاری میں کئی نئے رجحانات کو جنم دیا۔

لیکن جب ڈاکٹر حمید اللہ نے سیرت پر قلم اٹھایا تو ڈاکٹر صاحب نے ان تمام اسالیب سے ہٹ کر ایک الگ راہ نکالی۔ متقدمین کی جمع و تدوین، پھر متوسطین کی مختلف موضوعات کے حساب سے سیرت کی پیشکشیں، اور پھر متاخرین میں ان تین جید حضرات کے انداز، ان تینوں اسالیب سے ہٹ کر ڈاکٹر صاحب نے سیرت سے متعلق ایک نیا اسلوب اختیار کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے سیرت کے ان پہلوؤں اور گوشوں کو اپنی دلچسپی اور توجہ کا مرکز بنایا جن پر متقدمین نے یا تو بالکل نہیں لکھا تھا یا لکھا تھا تو بہت تھوڑا لکھا تھا۔ میری مراد ہے۔ سیرت نبوی ﷺ کا سیاسی، انتظامی اور سفارتی پہلو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جن قبائل سے جن جن ممالک سے، جن جن فرمانرواؤں سے معاہدے کئے ان کی تفصیلات جمع کیں، ان کا مطالعہ کیا، یہ پتا لگایا کہ ان معاہدوں کے نتائج کیا سامنے آئے۔ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کسی خاص قبیلے سے معاہدہ کیا گیا تو اس معاہدے کے مندرجات کیا تھے اور ان مندرجات کی اس خاص قبیلے کے حوالے سے کیا ضرورت تھی۔ اور وہ مندرجات کسی اور قبیلے کے ساتھ کیے جانے والے معاہدے میں کیوں شامل نہیں ہیں۔

یہ اور اس طرح کے بہت سے سوالات ڈاکٹر صاحب نے اٹھائے اور بعض ایسے مسائل محققین کے سامنے رکھے جو ابھی تک سیرت نگاروں کے اور سیرت کے طلبا کے سامنے نہیں تھے،

اسلام میں مرکزی اور مقامی حکومتوں کے تعلقات کی نوعیت :

ایک چھوٹی سی مثال عرض کرتا ہوں۔ آج دنیائے اسلام میں ہر جگہ (افسوس کی بات ہے کہ

ہمارے ملک میں بھی) علاقائیت کا مسئلہ پیدا کیا گیا ہے، اور علاقائی وسائل کے استعمال کا ایک سوال پیدا ہوگیا ہے کہ فلاں علاقے کے وسائل فلاں دوسرے علاقے کے لوگ کیوں استعمال کر رہے ہیں۔ فلاں علاقے کے لوگ فلاں علاقے میں جا کر اعلیٰ عہدوں پر کیوں فائز ہو رہے ہیں۔ اس مسئلے کو لوگ حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مختلف انداز سے اس مسئلے کو ڈیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک علاقے کے بارے میں تحقیق کی، اس علاقے کے بسنے والوں سے اسلام کے تعلقات کی تفصیلات کو جمع کیا اور رسول ﷺ نے اس علاقے کے لوگوں کو جو دستاویزات جاری فرمائیں اور جو منشور جاری فرمایا، اس میں یہ تھا کہ یہ لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اسلام کے تمام احکام پر عمل کریں گے، اسلام کے احکام کے مطابق مرکزی حکومت کے مطالبے پر زکوٰۃ ادا کریں گے اور پھر اپنی طرف سے حضور ﷺ نے فرمایا:

> **وان لایؤمر علیکم احد من غیر کم** ....
>
> یعنی تمہارے علاوہ تم میں سے باہر کا کوئی آدمی تم پر امیر نہیں بنایا جائے گا۔ اور تمہارے پانی کو تمہارے ہی کنٹرول میں رکھا جائے گا۔ تمہارے پانی پر کسی اور کا کنٹرول نہیں ہوگا۔

اس سے میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اگر سیرت کے واقعات میں اس طرح کی چیزیں تلاش کی جائیں۔ جن سے معلوم ہو کہ مرکزی حکومت اور مقامی حکومت کے درمیان تعلقات کی نوعیت حضور ﷺ کے دور میں کیا تھی؟ اس کا پتہ چلایا جائے تو شاید آج ہمیں بہت سے مسائل میں رہنمائی ملے۔ یہ وثیقہ دیکھنے کے بعد میں نے ڈاکٹر صاحب سے گفتگو کی۔ شاید ڈاکٹر صاحب کو خط بھی لکھا اور زبانی بات بھی کی۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے اس طرح کے اور بھی کئی وثائق کی نشاندہی فرمائی جن سے اس سوال پر خاصی روشنی پڑتی تھی کہ مرکزی حکومت اور مقامی قبائل یا مقامی حکومتوں یا علاقوں کے درمیان اسلام کی ابتدائی صدیوں میں تعلقات کی نوعیت کیا رہی اور کس طرح مرکزی حکومت براہ راست عامۃ الناس سے روابط رکھا کرتی تھی۔ یہ ایک اہم پہلو تھا جسے ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور اس میں اتنی تفصیلی معلومات اور اتنے نئے نئے نکتے انہوں نے اہل علم کے سامنے پیش کئے جو اس سے پہلے متقدمین کے سامنے موجود نہیں تھے۔

کعب بن اشرف کے قتل کے قانونی پہلو :

ایک اور چھوٹی سی مثال عرض کرتا ہوں، جس سے اندازہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب نے کس طرح کے سوالات اٹھائے۔ اور ان کا جواب دینے کے لئے کسی طرح سے انہوں نے تحقیق کی۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کعب ابن اشرف ایک یہودی سردار تھا جو اسلام کے خلاف بدزبانی کیا کرتا تھا۔ اس کے ہجو یہ اشعار جو رسول اللہ ﷺ کی مذمت میں ہوتے تھے لوگ گایا کرتے تھے، اور یوں وہ اسلام کے خلاف مسلسل پروپیگنڈہ کیا کرتا تھا۔ کفار مکہ سے اس کی سازباز رہتی تھی، وہ کفار مکہ سے مل کر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو کعب ابن اشرف سے نمٹ سکے؟ اس پر ایک صحابی حضرت محمد بن مسلمہ انصاری نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اس سے نمٹنے کے لئے تیار ہوں۔ یہ صحابی اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ تشریف لے گئے اور کعب بن اشرف کو قتل کر کے واپس آ گئے۔ یہ واقعہ کہیں مختصر انداز میں اور کہیں کچھ مزید تفصیلات کے ساتھ سیرت کی تمام کتابوں میں ملتا ہے۔ تفصیلات میں یہ تو ملتا ہے کہ کون کون سے صحابی گئے۔ ان کے ساتھ اور کون کون سے صحابی تھے؟ وہ کس راستے سے تشریف لے گئے۔ انہوں نے جا کر کعب بن اشرف سے گفتگو میں کیا کہا، اس سے بات کیسے کی، اس کو قتل کیسے کیا، کونسا ہتھیار استعمال کیا، کون سا وقت اس واقعے کے لئے منتخب کیا، یہ سب تفصیلات تو موجود ہیں، لیکن اس اہم واقعے کے قانونی، آئینی اور فقہی پہلوؤں پر زیادہ بحثیں نہیں ملتیں۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک بڑا بنیادی سوال اٹھایا۔ اور وہ سوال یہ اٹھایا کہ کعب بن اشرف کس علاقے کا باشندہ تھا۔ اگر وہ مدینہ منورہ کا باشندہ تھا تو کیا ریاست کے کسی غیر مسلم باشندے کو بغیر کسی عدالتی کاروائی کے خاموشی سے کارندے بھیج کر قتل کرایا جا سکتا ہے، اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو پھر اسلام کے خلاف مستشرقین اور مخالفین کو پروپیگنڈا کرنے کے لئے ایک بہت بڑا گر ہاتھ میں آ جاتا ہے، اور اگر وہ ریاست کا باشندہ نہیں تھا تو اس بات کو ثابت کیسے کیا جائے کہ وہ ریاست کا باشندہ نہیں تھا۔ محدثین اور سیرت نگاروں اور مورخین سب نے لکھا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں رہتا تھا۔ یثرب میں رہا کرتا تھا، اب اس ایک سوال کو ڈاکٹر صاحب سے پہلے کسی نے نہیں اٹھایا تھا، نہ کسی سیرت نگار نے اٹھایا تھا اور نہ کسی محدث اور شارح حدیث نے اٹھایا، واقعہ سب نے بیان کیا، واقعے کی تفصیلات بیان کیں اور آگے چل دیے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس سوال کو اٹھانے کے بعد پہلے یہ تحقیق کی کہ مدینہ منورہ کا جغرافیہ کیا تھا۔ جس کو آج ہم مدینہ منورہ یا مدینہ رسول کہتے ہیں وہ کس چیز سے عبارت تھا۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے ثابت کیا کہ مدینہ منورہ ایک بستی کا نام نہیں تھا۔ یثرب بہت ساری بستیوں کے ایک مجموعے کا نام تھا۔ یہ ایک بڑا نخلستان تھا جس میں بہت ساری بستیاں تھیں۔ ان کی نوعیت یہ ہوا کرتی تھی کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بستیاں ہوا کرتی تھیں جو قلعوں یا گڑھیوں کی شکل میں ہوتی تھیں۔ درمیان میں ان قبائل یا آبادیوں کی زرعی زمینیں ہوتی تھیں۔ یوں یہ آبادیاں ملی ہوئی بھی تھیں اور الگ الگ بھی۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے تحقیق کی اور رسول اللہ ﷺ کے دور میں یثرب پر فرانسیسی زبان میں ایک تحقیقی مقالہ لکھا۔ اس بارے میں انہوں نے کتنی تحقیق کی اور کتنے سال کوشش کرنے کے بعد، کتنا غور کرنے کے بعد لکھا؟ میں نہیں جانتا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے میثاق مدینہ پر غور کرنا شروع کیا جس کے بموجب مدینہ منورہ کے باشندے ایک ریاست کے شہری قرار پائے تھے، جس کے بموجب شاید کعب ابن اشرف بھی ایک شہری سمجھا جاتا ہو۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے تحقیق کی اور اس کے نتائج ایک مقالے کی شکل میں تیار فرمائے جس کا آپ نے ذکر سنا۔ لیکن یہ پوری تفصیل جس پر تقریباً ۲۵، ۳۰ سال صرف ہوئے ہوں گے اور اس ۲۵، ۳۰، سال کے غور وخوض اور تحقیق کے بعد نے ڈاکٹر صاحب نے یہ ثابت کیا کہ میثاق مدینہ ایک دستاویز نہیں تھی، بلکہ یہ تین دستاویزات کا مجموعہ تھا، یہ تینوں دستاویزات تین مختلف اوقات میں مرتب ہوئیں۔ جیسے جیسے قبائل یثرب اس معاہدے میں شامل ہوتے گئے ان کے بارے میں دفعات کا اضافہ کیا جاتا رہا۔ یہودی شروع شروع میں اس معاہدے میں شامل نہیں تھے۔ وہ جنگ بدر کے بعد اس معاہدے میں شامل ہوئے۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ جب کعب ابن اشرف کو قتل کیا گیا اس وقت یہودی میثاق مدینہ کے فریق نہیں تھے، اور اس معاہدے میں شامل نہیں تھے، ان کی جو آبادی یا بستی تھی وہ یثرب میں تو شامل تھی، لیکن مدینۃ الرسول میں شامل نہیں تھی، یثرب اور مدینۃ الرسول ایک چیز بھی ہیں اور الگ الگ بھی ہیں، اس اعتبار سے دونوں ایک چیز ہیں کہ بعد میں پوری بستی کو مدینۃ الرسول کہا جانے لگا۔ لیکن اس اعتبار سے الگ الگ بھی ہیں کہ شروع شروع میں یثرب کی وہ بستیاں مدینۃ الرسول کہلائیں جہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصرت فرمائی تھی اور آپ ﷺ کے صحابہ کو پناہ دی تھی۔ رہی یثرب کی وہ بستیاں جہاں کے باشندوں نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، ان کو اس وقت مدینۃ الرسول میں شامل نہیں سمجھا گیا۔ چنانچہ یثرب کی وہ بستی جہاں کعب بن اشرف

not

رہتا تھا مسجد نبوی سے ۱۰،۱۲ کلومیٹر کے فاصلے پر تھی، بلکہ اس کے آثار اب بھی موجود ہیں، وہ یثرب کا حصہ تو تھی مگر مدینتہ الرسول کا حصہ نہیں تھی۔ اور کعب ابن اشرف میثاق مدینہ میں فریق نہیں تھا، اس لئے وہ ریاست کا شہری نہیں تھا، جب وہ ریاست کا شہری نہیں تھا تو ایک محارب ریاست کا سربراہ تھا، اور چونکہ اس نے کفار کو حملہ کرنے کی دعوت دی تھی، اس لئے مسلمانوں کے خلاف برسر جنگ تھا اور برسر جنگ محارب دشمن کے سربراہ کو یا اس کی فوج کے سربراہ کو ملٹری ایکشن کے ذریعے ختم کیا جاسکتا ہے۔ یہ دنیا کا عام قانون ہے، اور بین الاقوامی تعلقات اور جنگ کا ہر قانون اس کی اجازت دیتا ہے۔

آج یہ خلاصہ چند منٹ میں بیان کر دیا گیا، لیکن اس خلاصے تک پہنچنے کے لئے کتنا وقت لگا ہوگا، کتنی تحقیق ہوئی ہوگی۔ اس کا اندازہ اس سے لگا یئے کہ کسی سابقہ کتاب یا کسی سابقہ ماخذ نے ڈاکٹر صاحب کی رہنمائی نہیں کی، بلکہ انہوں نے درجنوں شاید سینکڑوں، مآخذ و مصادر کا مطالعہ کیا جب وہ اس نتیجے پر پہنچے۔

نجاشی سے آپ ﷺ کے ذاتی تعلقات :

ایک اور مثال عرض کرتا ہوں کہ سیرت کے معاملات میں ڈاکٹر صاحب نے کس طرح تحقیق کی اور کس طرح کے سوالات اٹھائے۔ ایک جگہ ذکر ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب نجاشی کے ملک یعنی حبشہ میں صحابہ کرام کو ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ جسے ہجرت حبشہ کہتے ہیں تو آپ ﷺ نے نجاشی کو خط لکھا اور وہ خط لے کر ایک ایسے صحابی گئے جو اس وقت تک اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عمرو ابن امیہ ضمری۔ اس خط کے متن سے ڈاکٹر صاحب کو یہ خیال ہوا کہ خط کا متن ایسا ہے جو ایک جاننے والا دوسرے جاننے والے کو لکھتا ہے۔ خط کا مضمون یہ ہے کہ میں اپنے بعض دوستوں کو تمہارے یہاں بھیج رہا ہوں، یہ تمہارے ہاں پناہ لیں گے، تم ان کی مدد کرو۔ کوئی انجان آدمی کسی انجان آدمی کو اس طرح کی تحریر نہیں بھیجتا، اس خیال پر متقدمین میں سے کسی نے نہیں لکھا تھا۔ مورخین میں، محدثین میں، سیرت نگاروں میں سے کسی نے یہ بات نہیں کی کہ نجاشی سے رسول اللہ ﷺ کے ذاتی تعلقات پہلے سے موجود تھے، اور تھے تو کس نوعیت کے تھے؟ ڈاکٹر صاحب کو ان الفاظ سے خیال ہوا کہ ان سے حضور ﷺ اور نجاشی کے ذاتی تعلقات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ تحقیق شروع کی تو عمرو ابن امیہ کا غیر مسلم ہونے کی حالت میں سفیر بنا کر بھیجنے اور رسول اللہ ﷺ کے نامہ مبارک کے انداز سے واضح ہوتا ہے کہ ان دونوں کا بھی آپس میں

گہرا تعلق ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ بنو ضمرہ جس سے عمرو بن امیہ ضمری کا تعلق تھا۔ یہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے راستے میں ایک جگہ آباد تھا۔ اور مدینہ منورہ کے راستے میں ایک ایسے مقام پر ان کا پڑاؤ تھا جو بندرگاہ سے خاصا قریب تھا اور اس علاقے کی جو بندرگاہ تھی اس سے جو تجارتی آمد ورفت ہوتی تھی، اس سے جو مال اور سامان جایا کرتا تھا اس میں اس قبیلے کے بڑے اثرات تھے۔ اب اس قبیلے کا جغرافیہ دیکھیں تو بحر احمر کی بندرگاہ سے جو تجارتی سامان جائے گا وہ یا مصر جائے گا یا حبشہ جائے گا۔ زیادہ دور آئے گا تو شاید ہندوستان آجائے۔ اس زمانے کی کشتیاں بادبانی تھیں اس لئے ہندوستان بہت زیادہ مال تجارت نہیں آسکتا تھا۔ اس لئے زیادہ تجارت مصر اور حبشہ سے ہوا کرتی تھی۔

اس سے اندازہ ہوا کہ عمرو ابن امیہ ضمری کے قبیلے کی تجارت حبشہ سے رہی ہوگی۔ اب انہوں نے قدیم تجارتوں پر تحقیق شروع کی، قدیم تجارتوں پر تحقیق کرنے سے پتہ چلا کہ واقعی عمرو ابن امیہ کے قبیلے کی تجارت حبشہ کے ساتھ تھی اور جب یہ نجاشی جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حبشہ کا فرمانروا ہوا تھا جب اس کے باپ کا انتقال ہوا تھا تو اس کے چچا نے تخت کا دعویٰ کر دیا۔ تخت کا اصل وارث بھتیجا تھا جو کم سن تھا، چچا نے تخت پر قبضہ کر لیا تھا اور اس اصل وارث کو غلام بنا کر بیچ ڈالا اور اس کو وطن سے نکال دیا تھا۔ اس کے چونکہ بنی ضمرہ سے تعلقات تھے یہ حبشہ سے نکلنے کے بعد عرب آیا اور بنی ضمرہ کے سردار کے یہاں پناہ لے لی۔ کافی عرصہ اس کا وہاں گزرا۔ جب رسول اللہ ﷺ تجارت کے لئے شام تشریف لے گئے تو آپ ﷺ کا کئی بار وہاں جانا ہوا، دو تین مرتبہ تو خود اپنی جوانی میں قافلہ لیکر تشریف لے گئے۔ ایک آدھ بار حضرت خدیجہؓ کا سامان لیکر تشریف لے گئے تھے اور لڑکپن میں اپنے چچا کے ساتھ کئی مرتبہ گئے تو آپ ﷺ کا گذر ہر بار بنی ضمرہ کے علاقے میں ہوا اور بنی ضمرہ کے علاقے سے گذرنے پر اس بات کا امکان موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ملاقات اپنے ہم عمر نجاشی سے ہوئی ہوگی، وہ اس قبیلے میں پناہ گزین تھا اور قبیلے کے سردار کے ہاں مقیم تھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی عرب کے اعلیٰ ترین خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور سردار مکہ عبدالمطلب کے پوتے تھے۔ اس لئے اس بات کا قوی امکان ہے کہ نوجوانی کے اس دور میں آپ کی نجاشی سے ملاقات ہوئی ہو۔ پھر بنی ضمرہ سے نجاشی کے چونکہ خاص نوعیت کے تعلقات تھے اور وہ بنی ضمرہ کا مرہون منت بھی تھا، اس نے اپنے تخت کی بازیابی میں اور پناہ گزینی میں ان سے مدد لی تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بنی ضمرہ ہی کے ایک سردار کو جن سے حضور ﷺ کے ماضی میں تجارتی روابط بھی رہے تھے اور وہ حضور ﷺ کے معتمد انسان بھی تھے۔ نجاشی کے پاس بھیجا کہ وہ جا کر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہنچا ئیں، جس میں اعتماد اور رازداری بھی برقرار رہے، کفار مکہ کو پتہ نہ چلے کہ حضور ﷺ اس طرح کے روابط نجاشی سے استوار فرما رہے ہیں۔ اور صحابہ کرام کو وہاں بھیجنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

اب یہ بات پتہ لگانا کوئی آسان نہیں تھا۔ یہ سب کچھ کسی سیرت کی کتاب میں لکھا ہوا نہیں ہے، کسی تاریخ کی کتاب میں اس طرح کی تفصیلات نہیں ملتیں، حدیث کی کتابوں میں بھی اس طرح کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ یہ ساری تفصیل جغرافیے کی کتابوں سے، ادب کی کتابوں سے، قدیم تذکروں سے، انساب کی کتابوں سے، قبائل کے آپس کے تعلقات پر جو مواد ملتا ہے اس سے، تھوڑا تھوڑا ٹکڑا ٹکڑا جمع کیا اور بقول مولانا شبلی کے کہ اسلامی علوم میں تحقیق کرنا ایسا ہے جیسے چیونٹی کے منہ سے شکر کے دانے تلاش کئے جائیں اور ان سے حلوائی کی دکان کھولی جائے، چیونٹیوں کے منہ سے شکر کے دانے جمع کر کے حلوائی کی دکان کھولنا جتنا مشکل کام ہے اتنا ہی مشکل کام اسلامی علوم میں تحقیق کا بھی ہے، تو واقعی ڈاکٹر صاحب نے چیونٹیوں کے منہ سے چینی کے دانے جمع کر کے حلوائی کی دکانیں قائم کیں اور وہ دکانیں آج خریداروں کے سامنے موجود ہیں، سیرت پر اس طرح کے درجنوں بلکہ سینکڑوں سوالات ہیں جو ڈاکٹر صاحب نے اٹھائے اور کتنے سال کی تحقیق کے بعد اور سینکڑوں ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کے بعد ان کے جوابات تلاش کیے۔

بہت سے سوالات ایسے تھے جو وہ وقتاً فوقتاً اپنے ملاقاتیوں سے اور اپنے نیازمندوں سے کرتے رہتے تھے۔ بعض اوقات جواب ملتا اور اکثر اوقات نہیں ملتا تھا۔ لیکن وہ سالہا سال ایک سوال پر غور کرتے رہتے تھے۔ اور کسی سوال کا جواب فوری طور پر دستیاب نہ ہونے سے وہ مایوس یا حوصلہ پست نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی تحقیق اور مطالعہ اور سوال جواب کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔

آپ ﷺ کی حیات میں تحریر کئے گئے حدیث کے مجموعے:

ڈاکٹر صاحب نے علم حدیث کی تاریخ میں جو کام کیا وہ مستشرقین کے اس اعتراض کا مکمل اور مدلل جواب ہے کہ احادیث تیسری صدی ہجری میں لکھی گئی ہیں اور سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہیں۔ محدثین نے جو کچھ رطب و یابس ادھر اُدھر سے سنا اسے ایسے ہی غیر مرتب انداز میں بیان کر دیا۔

ڈاکٹر صاحب نے پوری تحقیق سے ثابت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک

سے جو لکھتا تھا صحابہ کرام اسے لکھ لیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے تقریباً ۱۴ یا ۱۵ ایسے مجموعوں کا پتہ چلایا جو حضور ﷺ کے زمانے میں حضور ﷺ کی اجازت سے صحابہ کرام نے لکھے، رسول اللہ ﷺ کی اجازت اور اطلاع سے مرتب کیے گئے یہ چودہ پندرہ مجموعے تابعین کو منتقل ہوئے، تابعین سے تبع تابعین کو، تبع تابعین سے ان کے تلامذہ کو اور یوں وہ تیسری صدی ہجری کے محدثین کے پاس آئے۔ جنہوں نے ان سے استفادہ کیا۔ اس کام کے لئے ڈاکٹر صاحب نے صحیفہ ہمام ابن منبہ کو بنیاد بنایا، جو حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا معمول یہ تھا کہ وہ احادیث کو مرتب کیا کرتے تھے۔ وہ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے نکلنے والے ہر ارشاد گرامی کو نہ صرف لکھ لیا کرتے تھے، بلکہ اس کو زبانی بھی یاد کر لیا کرتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے خلیفہ مروان کا واقعہ بیان کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت کو بھی اس معاملے میں کتنا اہتمام تھا، مروان نے جب بطور گورنر مدینہ کے اپنا چارج لیا تو وقتاً فوقتاً حضرت ابو ہریرہؓ کے درس میں جایا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے درس میں انھوں نے بعض احادیث سنی تھیں جو ان کو زبانی یاد ہو گئیں۔ بعد میں جب وہ خلیفہ ہوئے اور اپنی خلافت کے زمانے میں دوبارہ کئی سال کے بعد ان کا مدینہ آنا ہوا تو ایک دن وہ پھر ابو ہریرہؓ کے درس میں حاضر ہوئے۔ یہاں ان کو خیال ہوا کہ بعض احادیث جو انہوں نے پہلے سنی تھیں اب اس طرح ابو ہریرہؓ بیان نہیں کر رہے۔ اس پر درس کے بعد انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا کہ پہلے تو آپ نے یہ چیزیں اس طرح بیان نہیں کی تھیں اور آج شاید آپ اور طرح بیان کر رہے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اگر میں نے پہلے اور طرح بیان کی تھیں اور آج اور طرح بیان کر رہا ہوں تو پھر میں آج سے درس حدیث دینا بند کر دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ خلیفہ کو اپنے مکان پر لے گئے، وہاں انہوں نے اپنی پرانی دستاویزات اور مجموعے نکالے اور کہا کہ یہ وہ تحریریں ہیں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنے ہاتھ سے حضور ﷺ کی اجازت سے لکھی تھیں اور اس میں پڑھ کر انہوں نے بیان کیا اور وہی بیان کیا جو آج کی محفل میں بیان کیا تھا۔ اور وہی بیان کیا جو آج سے کئی سال پہلے کی محفل میں بیان کیا تھا۔

یہ واقعات اور یہ تفصیلات ڈاکٹر صاحب نے جمع کیں جس کے بعد اور بہت سے محققین نے اس کام کو آگے بڑھایا اور یہ ثابت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرام کے دست مبارک سے پچاس کے قریب مجموعے احادیث کے مرتب شدہ موجود تھے۔ صحابہ کرام کے شاگردوں میں سے تابعین

not

نے احادیث کے ۲۴۸ مجموعے مرتب کئے جن کا تذکرہ تاریخ میں ملتا ہے ان میں سے درجنوں آج ہمارے سامنے موجود ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی زندگی کی آخری تحقیق جو تاریخ حدیث کے بارے میں فرمائی وہ ادارہ تحقیقات اسلامی میں شائع ہوئی یہ ان کی تحقیق وتصحیح کردہ کتاب ''کتاب السرد والفرد'' ہے۔ اس میں ایسے مجموعے شامل ہیں جو صحابہ کرام یا صحابہ کرام کے براہ راست تلامذہ کے مرتب کئے ہوئے ہیں وہ آج موجود ہیں۔ اوران مجموعوں میں جو احادیث بیان ہوئی ہیں ان کا اگر موجودہ مجموعوں، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ سے مقابلہ کیا جائے تو اس میں ایک شوشے کا اور ایک لفظ کا فرق بھی نہیں ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب نے ایسی دستاویزات بھی جمع کیں جن سے علم حدیث کی حقانیت بھی ثابت ہوتی ہے۔ ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ غالباً ۱۸۶۸ء میں ایک مغربی ماہر آثار قدیمہ نے ایک نامہ مبارک دریافت کیا جس کے بارے میں ماہرین نے بالاتفاق یہ رائے دی کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا وہ نامہ مبارک ہے جو قیصر روم کے نام تھا۔ اس قیصر روم کے نام جو نامہ مبارک اب دستیاب ہوا ہے اس کا متن پہلے سے حدیث اور سیرت وتاریخ کی کتابوں میں نقل ہوتا آیا ہے۔ اس اصل نامہ مبارک کی دریافت پر ڈاکٹر صاحب کا ایک بڑا تفصیلی مقالہ بھی ہے جس میں انہوں نے بتایا کہ اس میں جو متن اس نامہ مبارک کا دیا گیا ہے وہ بعینہ وہی متن ہے جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔ اس میں ایک لفظ یا شوشے حتی کہ ہجا کا فرق بھی نہیں ہے۔ اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ امام بخاری کے سامنے جو مآخذ تھے وہ بعینہ وہ ماخذ تھے جو صحابہ کرام تابعین تبع تابعین کے زمانے میں تیار ہوئے تھے۔ یہ تحقیق اب بہت سے لوگ نے آگے بڑھائی اور اس اعتراض کا بے بنیاد ہونا ثابت کردیا کہ حدیث کے معروف اور متداول مجموعے سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہیں۔ آج مغرب کے اہل علم نے یہ استدلال تسلیم کرلیا ہے یہی وجہ ہے کہ آج مستشرقین نے یہ اعتراض چھوڑ دیا ہے کہ علم حدیث ایک غیر مرتب یا غیر ثقہ یا غیر تاریخی علم ہے، یہ بات اب سب مانتے ہیں کہ تاریخی ثبوت کے جتنے وسائل انسانی نسل کو دستیاب ہیں ان سب وسائل کو استعمال کرکے علم حدیث کی حفاظت کی گئی اور مسلمانوں تک پہنچایا گیا۔

اسی طرح کا معاملہ بین الاقوامی قانون کے باب میں ہے کہ بین الاقوامی قانون میں ڈاکٹر صاحب نے جو کنٹری بیوشن (Contribution) کیا ہے، میں مختصر الفاظ میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ پہلی صدی ہجری کے بعد جن لوگوں نے اسلام کے بین الاقوامی قانون کو مدون کیا ان میں سب سے نمایاں نام

امام محمد بن حسن الشیبانی کا ہے جو امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے۔ان کی تین بڑی کتابیں اسلام کے بین الاقوامی قانون پر موجود ہیں اور آج دستیاب ہیں۔انہوں نے جو کام دوسری صدی ہجری میں کیا تھا وہ ڈاکٹرحمیداللہ نے چودھویں صدی ہجری میں کیا۔اور اگر گستاخی نہ ہوتو مجھے اجازت دیں کہ میں یہ کہوں کہ ڈاکٹرحمیداللہ کو بجاطور پر چودھویں صدی کا محمد بن حسن شیبانی قرار دیا جاسکتا ہے۔اس لئے کہ ان کے کام کا معیار، کام کا والیوم اور کام کی کمیت ہر اعتبار سے وہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کو چودھویں صدی ہجری کا شیبانی قرار دیا جائے۔

یہ تین وہ اہم ترین میدان ہیں جن میں ڈاکٹر صاحب کا کام انتہائی بالغ نظری، انتہائی تعمق اور اعلیٰ ترین تحقیقی معیار پر فائز ہے۔یہ تین وہ میدان ہیں جن میں انہوں نے امامت کا درجہ حاصل کیا۔ان تینوں فنون میں وہ امام ہیں۔اور بعض معاملات میں ایک مجددانہ حیثیت رکھتے ہیں۔آنے والا محقق اور آنے والا مؤرخ جب ان علوم کی تاریخ لکھے گا تو ڈاکٹرحمیداللہ کو مجدد علوم سیرت، مجدد فقہ سیر اور مجدد تاریخ تدوین حدیث قرار دے گا، اور ان علوم کی تاریخ میں ان کی تحقیقات کو ایک نئے دور کا آغاز قرار دے گا۔

ماہنامہ تعمیر افکار کراچی کی اشاعت خاص بیاد پروفیسر سید محمد سلیمؒ

زیر ادارت: سید عزیز الرحمٰن، صفحات: ۴۹۶، قیمت: ۱۸۰

اہم لکھنے والے: پروفیسر حکیم سید ظل الرحمٰن، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، میاں طفیل محمد، مولانا جان محمد عباسی، مولانا وصی مظہر ندوی، حکیم سید محمود احمد برکاتی، مولانا محمد اسماعیل آزاد، پروفیسر خورشید احمد، ڈاکٹر احسان الحق، ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ڈاکٹر سید عبدالمجیب، پروفیسر سید ارشد جمیل، حافظ سید فضل الرحمٰن، ملک نواز احمد اعوان، ڈاکٹر سعید اللہ قاضی، پروفیسر مسلم سجاد، پروفیسر نصیر الدین ہمایوں، پروفیسر ظفر حجازی، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر عبدالحق ابڑو، حفیظ الرحمٰن احسن، عبدالملک مجاہد، ڈاکٹر وقار احمد زبیری، پروفیسر عبدالحسیب احسن اور سید عزیز الرحمٰن

حصہ خطوط: مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، قاضی اطہر مبارک پوریؒ، ڈاکٹر حمیداللہؒ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، مولانا مسعود عالم ندویؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا عبدالرشید نعمانیؒ، مولانا غلام رسول مہر، عبداللہ چغتائی، ڈاکٹر محمد ایوب قادری، ڈاکٹر مختار الدین احمد، مولانا محمد عبدالحلیم چشتی، قاضی حسین احمد، مولانا سمیع الحق، ڈاکٹر نجم الاسلام، پروفیسر خورشید احمد

اہتمام: پروفیسر سید محمد سلیمؒ اکیڈمی

رابطہ: اے ۳۴/۱۷، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی ۱۸، فون: ۶۶۸۴۷۹۰